انٹرویو

ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس

ترجمہ: سلیمان واثق
نظر ثانی: عائشہ جاوید

سوڈانی نژاد ایک عالم جو ہمارے فکری مراجع میں آتے ہیں

مجلۃ العصر: ہم ایک ایسی فاضل شخصیت سے ملاقات کا شرف حاصل کر رہے ہیں جنہوں نے تمام عالم اسلام کے فکری حلقوں اور خصوصاسوڈان پر انتہائی گہرےعلمی اثرات مرتب کیے ہیں۔ یہ فضیلۃ الشیخ استاذ ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس حفظہ اللہ ہیں۔آج ہم ان کے ساتھ زندگی,تجربات ,فکر اور مشاہدات کے مختلف پہلوؤں کی سیر کریں گے۔ ابتدا میں ہم شیخ محترم سے گزارش کریں گے کہ وہ اپنے ان حوادثات زندگی اور شخصیات کے بارے میں بیان کریں جنہوں نے ان کی دعوتی ,فکری اور ثقافتی جہات اور اسالیب پر گہرا اثر مرتب کیا ہو،پھر ہم ان سے دعوتی ,علمی اور فکری جوانب سے متعلق سوالات کریں گے۔

والدین کے اثرات شیخ محترم کی تربیت پر :

شیخ جعفر: الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونستھدیہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا محمد اعبد اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین. میرا تعلق چونکہ ایک سوڈانی خاندان سے ہے اس لیے میرا خاندان بھی دیگر سوڈانیوں کی طرح صوفی سلسلے سے منسلک تھا,اس سلسلے کا نام ختمیہ ہے (یہ سلسلہ سوڈان اور اس کے قرب جوار کے ممالک میں پھیلا ہوا ہے اس کے بانی محمد عثمان بن محمد المیر غنی تھے جو کہ طائف سے تشریف لائے تھے اور سلسلہ ادریسیہ کے شیخ احمد بن ادریس سے بیعت تھے۔مترجم) یہ بات واضح ہے (یا ہو جانی چاہیے) کہ ہمارے خطے کے صوفی گروہ شرک میں بہت زیادہ مبتلا ہیں مگر اللہ تعالی نے میرے والدین پر اوران کے ذریعے سے مجھ پر خصوصی انعام فرمایا تھا۔میری والدہ عالمہ عورت نہ تھیں مگر وہ سخت قسم کی دیندار تھیں, نماز کے معاملے میں انھوں نے والد محترم کی بہ نسبت مجھ پر زیادہ اثر ڈالا,مجھے یاد ہے کہ وہ بسا اوقات ہمیں نیند سے جگا کر پوچھا کرتی تھیں کہ ہم لوگوں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے یا نہیں۔والد محترم کی شخصیت بھی ہمارے لیے اللہ تعالی کے انعامات میں سے تھی۔ان کی طبیعت میں عفو درگزر تھا وہ اُس وقت بھی ہمارے ساتھ ایسے معاملہ کرتے تھے جیسے ہم لوگ بزرگ ہوں, وہ بسا

اوقات مختلف مسائل میں ہم بہن بھائیوں سے مشاورت کر لیا کرتے تھے۔ آپ اندازہ کریں سوڈان میں اس طرز معاشرت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ البتہ وہ اس صوفی سلسلے سے ہی وابستہ رہے۔ سب سے پہلی چیز، جس نے میری زندگی پر انتہائی زیادہ اثر ڈالا، اور میں اس پر اللہ کا شکر گزار ہوں وہ یہ تھا کہ ہمارے کسی قرابت دار نے سب سے پہلی مرتبہ سوڈان میں سلفی دعوت کا پرچار کرنا شروع کیا ان کا تعلق جماعت انصار سنت محمدیہ بور سوڈان سے تھا۔ اس وقت میری عمر بارہ سال تھی تب میں نے ان سے متاثر ہو کر اپنے والدین کے اختیار کردہ سلسلے کی طرف نسبت توڑ لی اور ان کے ساتھ سلفی دعوت میں شامل ہو گیا، اب میرا گھر والوں سے اختلاف شروع ہو گیا خصوصا میری والدہ بہت ہی زیادہ ناراض ہوئیں حتی کہ انھوں نے میرا بائیکاٹ کر دیا اور بول چال تک بند کر دی۔ وہ یہ سمجھتی تھیں کہ میں گمراہ ہو گیا ہوں۔

البتہ میرے لیے یہ بات بہت مفید تھی کہ میں جن سے سلفیت میں متاثر ہوتا جارہا تھا وہ ہمارے اقارب میں سے تھے۔ انھوں نے میری مدد کی اور ان میں سے ایک صاحب جن کا والدہ محترمہ بہت احترام کرتی تھیں، وہ ایک سادہ منش انسان تھے اور درزی کا کام کرتے تھے، ایک دن وہ تشریف لائے اور میری امی سے میری صلح کروادی۔ میرے والد حافظ قرآن تھے میں انہیں بعض کتب پڑھ کر بار بار سناتا رہا، اللہ کے فضل سے وہ بھی کچھ عرصہ بعد تبدیل ہو گئے اور سلفیت کو اپنالیا۔

مجلۃ العصر :کیا ان کتابوں کے نام بتلانا پسند فرمائیں گے؟

یہ مصر سے چھپے ہوئے کچھ کتابچے تھے ان میں ایک کتاب تھی جس کا نام مجھے یاد نہیں میں وہ کتاب بار بار والد صاحب کو سناتا رہا حتی کہ وہ مجھ سے متفق ہو گئے اور ان کی زندگی میں ایک تبدیلی آگئی۔ پھر کچھ عرصہ بعد والدہ نے بھی صوفیت ترک کر دی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ تعالی کے انعامات میں سے تھا کہ میں اپنے والدین کے لیے ہدایت کا سبب بن گیا اور انہیں شرک اور خرافات سے نکال لایا۔ وللہ الحمد سبحانہ

بچپن کا ایک واقعہ: بچپن میں ایک حادثہ ہوا جس نے مجھ پر بہت ہی بڑا اثر ڈالا۔ یہ اثر کوئی فکری یا علمی نہ تھا مگر اس کے نتائج مجھ پر آج تک موجود ہیں۔ کھیلتے ہوئے مجھے ایک کیل لگ گئی اور اندر سے ہڈی ٹوٹ گئی۔ مجھے شدید درد ہوا، میں اس وقت چھ سال کا تھا اور یہ تکلیف مجھے نو سال کی عمر تک رہی، یہ انگریز کا زمانہ تھا۔ جب مجھے ڈاکٹر کے پاس لایا گیا تو اس نے کہا کہ اس بچے کی ٹانگ کاٹنی پڑیگی۔ میرے والد تو متفق ہو گئے مگر والدہ محترمہ نہ مانیں اور ڈٹ گئیں وہ اپنے پیر سید علی میر غنی کے پاس مشورہ لینے گئیں تو انھوں نے فرمایا کہ طبیب کی بات مان لو اور ٹانگ کٹوالو۔ کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ وہ پنے پیر صاحب کی بات رد کر دیں گی مگر انھوں نے رد کر دی اور ڈاکٹر سے کہا کہ ہم ٹانگ نہیں کٹوائیں گے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ ٹانگ تو کاٹنی ہی پڑے گی ورنہ بچے کی جان کو خطرہ ہے۔ امی جان نے ایک جملہ کہا تھا کہ یہ دو ٹانگوں کے ساتھ مر جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ ایک ٹانگ کے ساتھ جیتا رہے۔

اس حادثے کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں کلاس میں پیچھے رہ گیا مگر اس تاخیر نے مجھے ذاتی طور پر بہت فائدہ دیا اور جب میں دوبارہ تعلیم کے لیے اسکول گیا تو میری پیاس بڑھ چکی تھی۔ مجھے ایسے لگا کہ میں نے کبھی اس کام کی ابتدا ہی نہ کی تھی جب میں دوسری مرتبہ تعلیم میں شامل ہوا تو میری پہلی کلاس چوتھے درجے تک جا چکی تھی اور میں تھا کہ اب پہلے درجے میں بیٹھ رہا تھا۔ جب میں پہلی مرتبہ اسکول گیا تھا تو اساتذہ نے یہ کہہ کر مجھے رد کر دیا تھا کہ اس بچے کی عمر کم ہے اور انھوں نے میرے بڑے بھائی کو شامل کر لیا اور اب میری عمر زیادہ ہو چکی تھی میرا یہ بھائی مذاق میں کہا کرتا تھا کہ اس حادثے پر اللہ کا شکر ادا کیا کرا گر یہ نہ ہوا ہوتا تو جامعہ میں بھی داخل نہ ہو پاتا!!!!

میٹرک میں داخلہ بھی بہت مشکل سے ہوتا تھا ان دنوں پورے سوڈان میں صرف تین ہائی اسکول تھے کسی ایک میں بڑی ہی مشکل سے داخلہ ہو پاتا تھا۔ میری خوش قسمتی یہ تھی کہ میں اسکول میں انتہائی محنت اور جوش کے ایام میں آن پہنچا تھا میں کتب خانے میں فجر کی نماز سے داخل ہوتا تھا جب میرے والد مجھے نماز کے لیے جگایا کرتے تھے,6 بجے وہاں سے باہر نکلتا تھا اور تیاری کر کے پڑھنے کو اسکول چلا جاتا تھا,وہاں سے لوٹتے ہی میں دوبارہ لائبریری میں جا بیٹھتا,پھر کچھ دیر آرام کر کے دوبارہ مغرب کے وقت مکتبہ میں چلا جاتا تھا۔

مساجد کی مجلسیں :

اس کے بعد میں نے ایک سنی عالم کے دروس میں شریک ہونا شروع کر دیا۔ انہی دنوں میں نے کچھ مختصر رسائل کا بھی مطالعہ کیا,اور احادیث بھی حفظ کرنا شروع کر دی,میں نے اربعین نووی مکمل یاد کر لی تھی۔ پھر جب میں مڈل اسکول میں داخل ہوا تو اپنے والد محترم کے ہمراہ سنت پر ہونے والے ایک لیکچر میں شریک ہوتا تھا۔ جو کہ ازہر سے فارغ التحصیل حدیث کے جو ایک استاد ہمارے ملک کے مشہور عالم تھے دیا کرتے تھے۔ یہ دور تھا جب شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بعض رسائل بھی میرے زیر مطالعہ آئے۔

مجلۃ العصر: کیا آپ ان رسائل کا نام ذکر کرنا پسند فرمائیں گے؟

شیخ جعفر: ان میں سے ایک تو میرے خیال سے العبودیۃ تھی,باقی میرا گمان ہے کہ ان کی مختلف کتب سے فصول کو علیحدہ کر کے چھاپا جاتا تھا,مجھے ان کے نام یاد نہیں رہے اور ان کتابوں کی زیادہ تعداد مصر سے چھپ کر آتی تھی۔

مجلۃ العصر :کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک طالب کا علم کا شیوخ کے محاضرات میں شریک ہونا ,ابن تیمیہ کی کتب کا مطالعہ کرنا اور کتب سنت کو پڑھنا اس معاشرے میں ایک نادر چیز تھی اور سوڈان میں کہیں نہیں پائی جاتی تھی۔

شیخ جعفر: نہیں ایسی بات بالکل نہیں۔ شیوخ کی خدمت میں حاضر ہونا کوئی نادر چیز نہ تھی,بلکہ اس وقت لوگ شیوخ ہی کے پاس جا کر علم حاصل کیا کرتے تھے لیکن ہمارے دینی طبقات عموماً صرف مذہب

مالکی کی کتب پڑھا کرتے تھے ۔ میں نے بھی ابتدا میں یہی کتب پڑھیں مثلاالعریۃ والعشماویۃ وغیرہ۔ ہمارے ہاں تدریس کا شعبہ عموماموریطانیہ کے شنقیطی بھائیوں کے پاس تھا۔وہ جب بھی حج کے لیے آتے تھے تو سوڈان میں لمبا عرصہ قیام کیا کرتے تھے۔ اس وقت سوڈان کی حالت,موجودہ صورت حال سے کہیں بہتر تھی۔ میں نے بعض شنقیطیوں سے پڑھا ہے۔ جن شخصیات نے میرے اندر سنت کی بنیاد مضبوط کر کی ان میں ایک شیخ اسماعیل انصاریؒ تھے ان کا تعلق بھی آل شنقیط سے تھا بڑے فاضل اور علامہ شخص تھے۔ قرآن کریم جس قدر انہیں حفظ پر عبور تھا میں نے اس کی مثال نہیں دیکھی وہ قرآن کے الفاظ کی معجم المفہرس تھے اگر ایسا کہنا درست ہو تو ! آپ جب بھی ان سے قرآن کے کسی لفظ کے بارے میں پوچھیں تو وہ فورا بتادیتے تھے کہ یہ لفظ قرآن کی کن کن آیات میں آیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابتدا میں متعصب مالکی تھے پھر وہ تبدیل ہوئے اس لیے فقہی کتب پر بہت شدید رد کرتے تھے در حقیقت یہ ایک رد عمل تھا,وہ ہمیں کہا کرتے تھے اربعین نووی تمام کتب فقہ سے بہتر ہے۔ ایک عرصے تک میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ پھر وہ سعودیہ چلے گئے سعودیہ میں ان کا شمار کبار علماء ہوتا تھا اگر چہ یہ زیادہ مشہور نہ تھے (شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اجنبی تھے) مگر وہ شیخ ابن بازؒ کے ساتھ ادارۃ البحوث والافتاء میں بھی کام کرتے رہے تھے۔ انہوں بعض کتب کی تحقیق بھی کی ہے۔

مجلۃ العصر:شیخ محترم یہ کب کی بات ہے؟

شیخ جعفر:ان کے ساتھ میری صحبت کا زمانہ پانچویں دہائی کی ابتدا میں تھا 1951 تقریبا\1952 کی بات ہے

تباہ کن طوفانوں سے کش مکش :

میری زندگی میں ایک انتہائی موثر کردار کمیونزم کا بھی ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے سکول کے زمانے میں سوشلزم ایک بہت بڑی تحریک بن کر معاشرے پر چھایا ہوا تھا اس کے دامن میں اشتراکیت کا ایک طوفان عالمگیر تھا جو کہ معاشیات اور معاشرت کے بہت سارے میدانوں میں چیلنج کی صورت میں سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ میں جس قدر بھی زاد مطالعہ جمع کیا ہوا تھا وہ اس فکر کا مقابلہ کرنے کے لیے ناکافی تھا,کیونکہ اشتراکیت نے جدید موضوعات چھیڑ رکھے تھے۔ اسی زمانے میں میں نے حرکۃ التحریر الاسلامی (اسلامی آزادی کی تحریک) میں شمولیت اختیار کرلی۔ سید قطب میری پسندیدہ ترین شخصیات میں سے ایک تھے ان کی تحریروں کا مجھ پر فکری اثر بھی مرتب ہوا۔

مجلۃ العصر:کیا سوڈان کی فکری تحریک پر مصری اثرات پڑ رہے تھے یا یہ بذات خود سوڈان ہی کی زمین پر اگنے والا پودا تھا؟

شیخ جعفر: ابتدا میں تو ایسا نہیں تھا بلکہ یہ فکری تحریک صرف سوڈان ہی کی پیداوار تھی,لیکن بعد میں تو یہ تحریک بنفسہ اخوان المسلمون بن گئی تھی۔ البتہ بعض امتیازات ایسے تھے جو اسے مصر کی اخوان سے ممتاز

کرتے تھے۔ اس تحریک کے بانی اکثر وہ لوگ تھے جو کمیونزم کو الحادی طرز فکر مان کر چھوڑ کر آئے تھے ,اس تحریک پر بہت زیادہ اثر انداز ہونے والی شخصیات میں سے ایک ماجد الکرّاح صاحب تھے, جو اعلی درجے کی مہذب شخصیت رکھتے تھے۔ مصری مصنفین کے ساتھ ساتھ ہم پاکستانی لکھاریوں کی کتابیں بھی بہت شوق سے پڑھا کرتے تھے مثلا شیخ مودودیؒ وغیرہ۔ ان کی کتب ہم انگریزی میں پڑھا کرتے تھے, ان کی کتب کا عربی میں ابھی تک ترجمہ نہیں ہوا تھا۔

مجلۃ العصر:آپ کو شیخ مودودیؒ کی کتب کے نام تو یاد ہونگے نا؟

شیخ جعفر :جی بالکل !ایک کتاب کا نام تھا منہاج الانقلاب الاسلامیاس وقت میں نے یہ کتاب کئی بار پڑھی, میرا خیال یہ ہے کہ یہ کتاب عصر حاضر کے تقاضے پورے کرتی ہے۔ اس کے علاوہ شیخؒ کے معاشیات اور سیاسیات کے موضوعات پر لکھے گئے کتابچے بھی میں نے پڑھے۔ مجھے یاد ہے کہ ان کی حیرتناک کتاب جو کہ میرے زیر مطالعہ آئی وہ تھی الدین القیم !۔ اس کتاب میں گویا میں نے اپنے شعور کے گمشدہ صفحات پا لیے, اس کتاب کا اسلوب حجت وبرہان میرے لیے بہت ہی جاذب شعور تھا۔ اس کتاب میں عقلی براہین کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت کر دیا گیا کہ یہ دین اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف سے ہے۔

مجلۃ العصر:لگتا ہےاس دور میں اس کتاب نے آپ لوگوں میں اشتراکیت کے مقابلے میں ایک فکری ارتکاز پیدا کردیا تھا؟

شیخ جعفر :بالکل !یہی چیز اس طرح کی کشمکش میں اہمیت رکھتی ہے, اس کے بعد میں نے شیخ ابوالحسن علی ندویؒ (علی میاں) کی کتب کا مطالعہ کیا, ہائی اسکول کے زمانے میں ہی میں نے شیخ ندویؒ کی کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین پڑھی, اس کتاب سے بھی ہم نے بہت استفادہ کیا تھا۔ اسی طرح ہم تہذیب اور ثقافت کے موضوعات پر دیگر کتب کی طرح انگلش لٹریچر مثلاناول, افسانے وغیرہ بھی پڑھتے تھے, ہماری تعلیم بھی مکمل طور پر انگلش میں ہوتی تھی، سوائے دو مضامین کے، عربی زبان اور دینیات۔ اساتذہ بھی سارے انگریز ہوتے تھے۔

اس لیے اس تحریک میں شمولیت بلاشبہ وہ واقعہ تحا جس نے میری زندگی پر گہرا اثر چھوڑا, بعد میں یہ تنظیم اخوان المسلمون بن گئی تھی۔ یہ بھی بتلاتا چلوں کہ جب میں پہلی مرتبہ تنظیم میں شمولیت کے بعد گھر آیا تو گھر والوں نے مجھ میں کئی تبدیلیاں محسوس کیں۔ پہلے میں ایک تنہائی پسند انسان تھا, بچپن سے ہی میں دوسرے بچوں سے علیحدہ رہتا تھا نہ کھیل میں حصہ لیتا تھا اور نہ دوستیاں کرتا تھا حتی کہ میری والدہ یہ سمجھنے لگیں تھیں کہ میں مریض ہوں۔

مجلۃ العصر :واضح بات ہےکہ یہ تنہائی فکر ی نوعیت کی نہیں تھی بلکہ شخصی جہت رکھتی تھی کیا ایسا نہیں ہے؟

شیخ جعفر :جی ہاں، اس طرح کی تنہائی معاملات میں شدت پسندی بھی پیدا کر دیتی ہے, جس چیز نے مجھ میں ایک تغیر برپا کر دیا تھا وہ تھا کہ جس شہر میں, میں میٹرک کرنے کے لیے رہ رہا تھا وہاں کے لوگ بہت

ہی محبت کرنے والے تھے, ہمارے شہر کے لوگ قلت محبت کے حوالے سے مشہور تھے, اس لیے اس نئے شہر کا ماحول میرے لیے مختلف سا تھا مثلا ہمارے لیے گلے ملنا تعجب کی بات تھی, مگر یہاں تو یہ ایک عام بات تھی۔ اس شہر کے لوگوں کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ جب کوئی ناپسندیدہ شے دیکھتے تھے تو اس پر آپ کے پاس آکر باقاعدہ تنقید کرتے تھے اور آپ سے خود گفتگو کا آغاز کرتے تھے, اس چیز نے مجھے کسی حد تک سماجی بنادیا۔ میں ایک اور بات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ امام حسن البناء نے اخوان میں ایک چیز اسرہ کے نام سے بھی متعارف کروائی ہے اسی کی پیروی کرتے ہوئے ہم بھی اپنے ساتھیوں کو اسرہ جات میں تقسیم کر لیتے تھے یہ چھوٹے چھوٹے مجموعے ہوتے تھے۔ یہ ایک جادوئی سا طریقہ تھا لوگوں کو آپس میں جوڑنے کے لیے, ایک آدمی وہ کام کبھی نہیں کر سکتا جسے ایک گروہ کریگا۔ اس سے کارکنوں میں رابطہ گہرا ہوتا ہے اور اخوت کا جذبہ بڑھتا ہے۔

میں دوبارہ یہ کہنا چاہوں گا کہ اسی اثناء میں, میں سید قطب سے متعارف ہوا تھا اور اس وقت ہم صرف ان کی کتب کا مطالعہ نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں شعور اور وجود میں انڈیل رہے تھے, خصوصا وہ کتابیں جن میں شہیدؒ نے اشتمالیت اور جمہوریت پر تنقید کی ہے۔ مجھے ابھی تک ان کتابوں کی مثال نہیں مل سکی مثلا معرکۃ الاسلام والرأسمالیۃ, الاسلام والسلام العالمي, العدالۃ الاجتماعیۃ في الاسلام. ان کتب میں اہم مسائل پر بحث کی گئی تھی جو آج بھی ہمیں اشتراکیت سے کشمکش در پیش ہیں, ہمیں ان کتابوں کے اندر دیے جانے والے دلائل تک یاد ہو گئے تھے۔

اسی طرح, میں ان دنوں ایسی کتب کا مطالعہ بھی کرتا رہا ہوں جن میں خالق کے وجود پر بحث کی گئی ہوتی تھی کیونکہ اشتراکیوں کے ہاں خالق کے وجود کا انکار کیا جاتا تھا اور مجھے ان کتابوں کے مطالعے کی ضرورت پیش آتی رہتی تھی۔ اس موضوع پر ہماری اپنی اسلامی تحریک کا لٹریچر ناکافی تھا۔

یہی دور ہے جب ابن قیم الجوزیؒ سے بھی مجھے تعارف ہوا اور ان کے مباحث مجھے شیخ الاسلام کی بہ نسبت بھی زیادہ سمجھ میں آتے تھے۔ محمد رشید رضا مصری کی ایک کتاب الوحي المحمدي نے بھی مجھ پر بہت زیادہ اثر ڈالا تھا. اس کتاب کا عقلی اسلوب مجھے اچھا لگا تھا۔ جن کتابوں کے مطالعے کی میں نوجوانوں کو نصیحت کروں گا وہ ہیں الداء والدواء لابن قیم, التصویر الفني في القرآن لسید قطب.

شیخ ابن بازؒ کی صحبتیں

میرا مختلف شخصیات سے متاثر ہونے کا دوسرا زمانہ سعودیہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہاں میری ملاقات شیخ علامہ عبدالعزیز بن بازؒ سے ہوئی, میں سمجھتا ہوں کہ یہ مجھ پر اللہ تعالی کی طرف سے ہونیوالی ایک نعمت تھی۔

شیخؒ ایک متقی, زاہد اور علمی شخصیت تھے, میں انہیں اس دور کے بڑے علماء میں سے شمار کرتا ہوں, حق بات یہ ہے کہ میں نے شیخؒ کا ہم مثل انسان نہ تو مسلمانوں میں پایا ہے اور نہ غیر مسلموں میں۔ شیخؒ کی سب سے اہم خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے مخالف پر اس قدر ادب کے ساتھ تنقید کرتے کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی ۔میں عرب و عجم کے بے شمار علماء سے ملا ہوں وہ جب بھی کسی پر تنقید کرتے ہیں تو تنقید تحقیر بن جاتی ہے۔ وہ کسی کی تحقیر نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کبھی ان کی زبان سے اس طرح کے کلمات سننے کو ملتے تھے جس طرح سے آج آپ علماء اور داعیوں کے لیے بڑے قبیح جملے سنتے ہیں۔ آپؒ داعیوں کی بہت ہی زیادہ مدح کرتے تھے مثلا مولانا مودودیؒ اور حسن البناءؒ اسی طرح شیخ البانیؒ کا جب بھی تذکرہ کرتے تھے تو انہیں علامہ البانیؒ کہہ کر یاد کرتے تھے۔ ہمارے ساتھیوں کی بھی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی آدمی نے شیخ مودودیؒ کے بارے میں پوچھا کہ وہ فلاں تاویل کرتے ہیں۔ آپؒ نے جواب دیا کہ یہ ان کی خطا ہے۔ مگر یہ مسئلہ بھی انتہائی دقیق ہے۔

جب انسان کی فضیلت مشہور ہو جائے تو اس پر تنقید کی جاتی ہے تشنیع نہیں۔

شیخ عبد العزیز بن بازؒ کی دوسری بڑی خوبی سخاوت تھی اس میں تو گویا وہ حاتم ثانی تھے۔ میری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ ہمارے سلفی بھائیوں میں یہ خوبی عام ہو جائے۔ ان خصوصیات میں حضرت شیخؒ صوفیائے مشائخ جیسا قد کاٹھ رکھتے تھے۔ جس طرح صوفیاء میں رقت قلب اور سخاوت ہوتی ہے آپ کا مزاج بھی ویسا ہی تھا۔ مجھے جب بھی آپ کے ہاں کھانا تناول کرنے کا شرف ملا تو آپ کے دستر خوان پر پندرہ سے بیس افراد ہوتے تھے اور یہ تقریبا سارے لوگ مختلف ضرورتوں کے لیے مدد طلب کرنے آئے ہوتے تھے۔

حضرت شیخ کی ایک اور خوبی یہ تھی کہ اللہ تعالی نے انہیں عجیب و غریب قوت حافظہ سے نوازا تھا ان میں صرف حفظ کی قوت ہی نہ تھی بلکہ یہ تو بہت سارے لوگوں میں مل جائے گی البتہ آپ کا امتیاز انتہائی حاضر جوابی تھی۔ میری یہ حسرت ہی رہی کہ کاش میں شیخؒ سے کچھ پہلے واقفیت پاتا اور آپ کے طریق تعلیم کا مشاہدہ کر سکتا۔

مجلۃ العصر :اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان چیزوں کا تذکرہ فرمادیں جو آپ نے شیخ سے پڑھیں؟

شیخ جعفر: میں ان سے باقاعدہ معروف اسلوب میں کچھ نہیں پڑھ سکا بلکہ میں ان کے جامع مسجد میں ہونیوالے محاضرات میں شامل ہوتا تھا۔ اس میں شیخ محترم نے کئی کتب پڑھائی تھیں مجھے وہ یاد ہیں جو میں نے سماعت کی تھیں جیسے صحیح بخاری سے فضائل صحابہ۔ بعض مبتدی حضرات ان سے شیخ محمد بن عبد الوھاب کی کتاب التوحید بھی پڑھا کرتے تھے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ مبتدیوں کو پڑھاتے ہوئے تفصیل اور تشریح کرتے تھے جبکہ بڑی کتب کو پڑھاتے وقت بہت مختصر اشارات کر دیتے تھے۔ ہم

نے بہت ساری کتب کی شیخ سے سماعت کی تھی۔ اسی طرح تفسیر القرآن کے دروس میں بھی شامل رہنے کا موقع ملا ہے تفسیر ابن کثیر آپ کی پسندیدہ ترین تفسیر تھی۔ میں نے تو ان کے دروس میں 1975ء کے بعد آنا شروع کیا تھا میری خواہش رہتی تھی کہ بار بار ان کے دروس میں حاضر ہوتا رہوں, کیونکہ ہم نے حضرت شیخؒ سے علم کے ساتھ ساتھ خاموشی بھی سیکھی تھی۔ آپ ہر وقت اللہ کی یاد کو شعور میں تازہ رکھتے تھے۔ آپ یقین کامل رکھتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عبادت ہے۔ میں نے اس طرح کی کوئی شخصیت نہیں دیکھی جو دعوت اور اس کے عصری تقاضوں کو پورا کرنے پر اس قدر کوشاں رہتی ہو۔

تحریکوں پر نظر

مجلۃ العصر :اب ہم فضیلۃ الشیخ سے جماعتوں اور تحریکوں کے حوالے سے سوال کرتے ہیں۔ کہ دینی تحریکوں سے وابستگی کا اسلوب کیا رکھتے رہے ہیں یا کیسا طریقہ کار پسند فرماتے ہیں؟

شیخ جعفر: جب میں اخوان میں شامل ہوا تھا اس وقت بھی میری یہ حالت تھی کہ جو موقف میں اختیار کر لیتا تھا پھر اسے غلط نہیں سمجھتا تھا اور بہت تیزی سے تنقید بھی کرنا شروع کر دیتا تھا۔ بعض لوگوں کو یہ چیز اچھی نہیں لگتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اخوانی الماثورات پڑھا کرتے تھے اور اس کی ابتدا میں لکھا ہوا تھا کہ ذکر اجتماعی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے یہ بات بالکل رد کر دی اور بعض دوستوں کو بھی اس کے خلاف قائل کر لیا تھا۔ اسی طرح ایک اور چیز جس پر مجھے اعتراض تھا وہ تھا ورد الرابطہ نامی ایک ذکر تھا جو کہ مغرب کے بعد پڑھا جاتا تھا۔ اہل السنۃ کی طرف میرے رجحان نے مجھے بہت نفع پہنچایا۔ اس وجہ سے تنقید ایک پہلو سے میری طبیعت کا حصہ بن گئی, اس پہلو سے بعض اسلامی ایشوز پر میں نے لکھا بھی ہے, یہ ایک مقالہ ہے جو میری کتاب نظرات في منهج العمل الاسلامي میں موجود ہے۔ یہ کتاب اخوان میں بہت معروف ہوئی۔ بعض جماعتوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی جماعت ہی مسلمانوں کی جماعت ہے جو اس سے خارج ہو اوہ الجماعۃ سے خارج ہو گیا۔ میں نے یہ فکر پیش کی کہ ہم جماعۃ المسلمین کا حصہ ہیں نہ کہ کل جماعۃ المسلمین ہیں۔ میں نے اس پورے مقالے میں ان چیزوں پر تنقید کی ہے۔ میں نے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسلام میں اس چیز کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا جسے ہم فکرِ جماعت کا اہتمام کرنے اور اس کی پیروی کرنے کا نام دیتے ہیں۔ اس موضوع پر میں نے شیخ مودودیؒ سے بھی بحث کی تھی, جب وہ لندن آئے تھے۔ سعودی عرب میں آمد کے بعد میں بہت سارے علماء سے ملا جن میں پاکستان, تیونس, مغرب, اور جزائر خاص طور پر شامل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تنقید کی اسی صلاحیت نے مجھ پر حسن ترابی کی حقیقت, بہت جلد ہی کھول دی تھی۔

مجلۃ العصر:آپ کے اور شیخ مودودیؒ کے مابین جو گفتگو ہوئی تھی ,وہ آپ کو یاد ہے؟

شیخ جعفر: جی بالکل! کچھ باتیں تو ابھی تک یاد ہیں, مثلاً انھوں نے اخوان پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا تھا: تم لوگ عالم اسلامی میں پھیلی ہوئی مستقل جماعتیں ہو مگر سب اخوان المسلمون کہلاتے ہو۔ حالانکہ معاملہ

اس کے برعکس ہونا چاہیے جماعت تو ایک ہو مگر نام مختلف ہوں تاکہ کسی ایک کی غلطی کی وجہ سے دوسرا نہ پکڑا جائے۔

اس کے بعد ہمارے درمیان تنظیم کی فکری پابندی پر مناقشہ ہوا، میں نے عرض کیا کہ میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے دین میں کسی جماعت کی فکری پیروی کو لازم ٹھہرادیا گیا ہو۔ البتہ کسی جماعت کے ساتھ مل کام کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر حاکم اگر کسی چیز کا حکم دے تو میں رائے کے لحاظ سے اس سے اختلاف کر سکتا ہوں البتہ عملی طور پر میں اس کے ماتحت رہوں گا جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہے گا، البتہ حاکم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ کہے کہ جاؤ اور لوگوں سے کہہ دو کہ فلاں رائے درست ہے۔ وہ فرمانے لگے کہ جب ہم اس چیز کو لازم نہ ٹھہرائیں گے تو انتشار پھیل جائے گا۔ میں نے کہا کہ انتشار اس صورت میں روکا جاسکتا ہے جب ہم لوگوں کی ایک خاص اسلوب پر تربیت کریں گے۔ مگر ہوا یوں کہ ہم نے لوگوں سے کہا کہ جو آدمی جماعت کی رائے سے اختلاف کرے گا وہ جماعت سے خارج ہو گا۔ اس کے جماعتوں پر بہت افسوسناک حد تک برے اثرات پڑے۔

پورا سلامی عمل ہماری اپنی سرگزشت ہے ہم خود کیوں نہ اپنے اوپر تنقید کریں اور اپنی اصلاح کریں۔ صحابہ کرامؓ ایک دوسرے پر تنقید بھی کرتے تھے اور وہ آپس میں شدید محبت بھی کرتے تھے۔ آخر میں شیخ مودودیؒ نے اپنی جماعت کے نظم کی تفصیلات بتلائیں۔ میں اسے عمدہ ترین مثال سمجھتا ہوں۔ فرمانے لگے، ہم اپنی جماعت میں زیادہ قوانین نہیں بناتے الا یہ کہ اسکے بغیر چارہ نہ ہو، البتہ اہم امور کے لیے ضوابط مقرر کر دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ دیگر اشیاء میں کارکنان آزاد ہوتے ہیں، جب بھی ہم نے کوئی فیصلہ کیا ہے تو ہمیں غالب اکثریت کا سہارا نہیں لینا پڑا بلکہ اتفاق عمومی ہو جاتا ہے اگر کوئی اختلاف کرتا ہے تو ہم مجتمع ہو کر اسے مطمئن کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ تم سارے لوگ متفق ہو گئے ہو مگر میں مغربی پاکستان میں ہوں، اس وقت پاکستان دو حصوں پر مشتمل تھا، کیونکہ میری ان سے یہ ملاقات علیحدگی سے پہلے ہوئی تھی، فرمانے لگے اگر آپ اس اتفاق کو نہ مانیں گے تو انتشار ہو جائے گا۔ میں ان کی بات کی نفی کرتے ہوئے کہا کہ میں جب تک اپنی مخالفانہ رائے پر عمل نہیں کروں گا تب تک تو فتنہ نہ ہو گا نا۔ مثال کے طور پر آپ نے جماعت کے ارکان کی معیت میں یہ طے کیا کہ عورت انتخاب میں حصہ نہیں لے گی یا لے گی، مگر میری رائے اس کے خلاف ہے، جب میں اسے ایک اجتہادی مسئلہ سمجھوں گا تو عملی اعتبار سے اس کی موافقت کرونگا لیکن جب مجھ سے پوچھا جائے گا تو میں اپنی رائے کا کھل کر اظہار کرونگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ **رائے پر پابندی دور حاضر کی تنظیموں کی سب سے بڑی آفت ہے** لگتا ہے کہ مغرب کی سب سے بری تحریک اشتراکیت سے ہماری تنظیموں نے یہ چیز سیکھی ہے۔ اشتراکیوں کا طریقہ کار یہ ہے کہ تحریک کے کچھ ارکان ایک فیصلہ صادر کرتے ہیں اور اسے تنظیم کا مشترکہ موقف قرار دے دیا جاتا ہے جو بھی

اس کی مخالفت کرتا ہے وہ پوری اشتراکی تنظیم کا مخالف قرار دیا جاتا ہے,یعنی جو شخص کسی ایک اصول سے اختلاف رکھتا ہو اسے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ پوری تنظیم کا مخالف اور منحرف ہے۔

نظرات في منهج العمل الاسلامی نامی مقالہ جس کا میں نے پہلے تذکرہ کیا ہے یہ اصل میں ایک لیکچر تھا بعد میں اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا تھا۔ جب میں اس سے فارغ ہوا تو اگلے دن ایک طالب علم میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرا تعلق دوسری تنظیم سے ہے مگر جن چیزوں کا آپ نے تذکرہ کیا ہے وہ ساری ان تمام تنظیموں میں موجود ہیں۔اسکی یہ بات میرے لیے پریشان کن تھی۔ اس لیے ہمیں آج بھی تنظیمی فکر کی اصلاح کرنی چاہیے ,مثلا قیادت کا انتخاب ,اس کی ذمہ داریاں ,صلاحیت کا معیار ,تنظیم میں پابندی اور آزادی کے معیارات۔

کتب

مجلۃ العصر :اب ہم کتابوں کی طرف واپس آتے ہیں ,شیخ محترم آپ کی مطالعے کی متوسط مقدار کیا ہے؟

شیخ جعفر: پہلے تو یہ عرض کر دوں کہ میں مطالعے میں خاصا سست رو واقع ہوا ہوں,مجھے یاد ہے جب میں برطانیہ میں تھا تو میں نے ایک ورکشاپ میں شرکت کی تھی جو مطالعہ کی رفتار زیادہ کرنے پر منعقد کی گئی تھی,مجھے اس سے شعوری طور پر فائدہ تو ہوا تھا مگر میرا شمار اب بھی سست رو قاریوں میں ہوتا ہوں۔ ایک بات ذکر کر دوں کہ ایک دن ٹیچر نے کہا کہ تیز پڑھنے کے علاوہ بھی دوسری مفید صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ پھر اس ٹیچر نے دوسری صلاحیتوں کے بارے میں پوچھا تو میں نے سب سے زیادہ اس نکتہ کے حق میں بولا۔تو وہ ہنسنے لگا اور کہنے لگا کہ تم سست رفتار ہو اس لیے تم نے دیگر فوائد کو ترقی دے ڈالی ہے,میرا گمان ہے کہ سرعت قراءت کا تعلق سرعت کلام کے ساتھ ہے اور میں ان دونوں میں سست ہوں۔ جن لیکچرز میں,میں حاضر تھا ان سے میں نے بہت استفادہ کیا میرے ٹیچر نے مجھے یہ باور کرا دیا تھا کہ یہ شعور کی سست رفتاری کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ آنکھوں کی سست رفتاری کی وجہ سے ہوتا ہے,اگر ایک شخص بچپن سے سست رفتاری کے ساتھ پڑھتا رہا ہے تو اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ آہستہ آہستہ اپنی رفتار زیادہ کر لے اور ایک جملے کی جگہ پوری ایک سطر پڑھ لے۔ باوجود اس کے کہ میں سست رفتار ہوں مگر پھر بھی بہت زیادہ پڑھ لیتا ہوں۔ شیخ ابن بازؒ سے جو چیز میں نے اس حوالے سے سیکھی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا حافظہ قوی تھا مگر آپ جس سطر کا سماع فرماتے تھے اس کے فہم پر توجہ مرکوز کرتے تھے,اور بعض

کتابوں کو خصوصی اہتمام سے سنا کرتے تھے, میں نے سنا ہے کہ آپ نے صحیح مسلم کا 60 مرتبہ سماع فرمایا تھا ,اس لیے احادیث آپ کی زبان پر اس طرح روانی سے جاری ہوتی تھیں جیسے پانی بہتا ہے, آپ نے البدایہ والنہایہ کا سات مرتبہ مطالعہ فرمایا تھا, آپ ہمیشہ حافظے سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا مشہور مقولہ تھا کہ علم مذاکرے کے بغیر ضایع ہو جاتا ہے۔ مگر میں ایک سے زیادہ بار تو شاذونادر ہی کسی کتاب کو پڑھ پایا ہوں اس کی بنیادی وجہ مطالعے کی سست رفتاری ہے۔

البتہ میرے پڑھنے کا میدان خاصا وسیع ہے, میں انگریزی ادب کی مختلف اصناف کو زیر مطالعہ رکھتا ہوں, اس کے علاوہ فکر, فلسفہ اور سیاسیات کے موضوعات پر بھی پڑھتا ہوں, میں سائنسی کتب بھی زیر مطالعہ رکھتا ہوں خصوصا جو مہذب عوام کی خاطر لکھی جارہی ہوں, میں نے ایسی کتابوں سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ ان کے بارے میں اپنی کتاب جو وجود خالق پر لکھی گئی ہے اس میں ان کتب کے متعلق میں نے گفتگو کی ہے۔ حتی کہ بعض وہ کتب بھی جو کسی خاص سائنسی موضوع پر لکھی گئی ہوں۔ میں ان دنوں جینز کے موضوع پر مطالعہ کر رہا ہوں۔ اسی طرح فلکیات کے موضوعات پر مطالعہ کرنا بھی میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ اس موضوع پر میں نے ماہرین فلکیات کی کتب کا مطالعہ کیا ہے مجھے خصوصا وہ کتابیں زیادہ پسند ہیں جن میں سائنسی موضوعات فلسفیانہ جہت بھی رکھتے ہوں بگ بینگ تھیوری پر میں نے خاصا مطالعہ کیا تھا۔ افسوس کی بات ہے کہ اتنے اہم موضوع پر عربی زبان میں کتابوں کی کمی ہے۔ ڈاروزم کے بارے میں سب سے بہترین کتاب جو میں دیکھی Darwin's Black Box ہے۔ یہ ایک کیتھولک سائنسدان کی تصنیف ہے۔ میں نے اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ اور وہ کتابیں جو میں نے بار بار پڑھی ہیں ان میں سے ایک معالم فی الطریق ہے سوڈان میں اس کتاب کو میں نے سب سے پہلے مشہور کروایا تھا, پھر جب میں نے اس کتاب کے بعض سلبی اثرات دیکھے تو جامعہ مسجد میں اس پر لیکچر دیے جس میں نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد حاضر ہوا کرتی تھی۔ جب میں کتاب کے بعض مقامات پر تنقید کرتا تھا کئی لوگ اس پر ناراض ہو جاتے تھے, میں ان سے کہتا تھا کہ میں سید قطب کا احترام کرتا ہوں اور ان کی فضیلت کا معترف بھی ہوں مگر کتاب کی بعض چیزوں پر تنقید کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسی طرح میں نے اساسی نوعیت کی کتب کو کئی بار پڑھتا ہوں۔

مجلۃ العصر :کیا آپ ان کتابوں کے نام بعینہ ذکرکرنا پسند فرمائیں گے؟

شیخ جعفر: جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں مجھے وہ کتابیں پسند ہیں جو فکری موضوعات پر لکھی گئی ہوں ,اسلئے وہ کتابیں جو اعداد وشمار اور اسماء وغیرہ سے بھری ہوئی ہیں میرا میلان ان کی طرف نہیں ہو پاتا۔ اس لیے میں کئی بار اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ یہ اللہ کی خصوصی رحمت ہے کہ قرآن کریم ایسا نہیں ہے!!!

میرا حافظہ کمزور ہے مگر اللہ کا شکر ہے کہ دلائل اور براہین کو یاد رکھنا میرے لیے آسان ہے خواہ یہ دلائل اسلامی ہوں یا غیر اسلامی۔ ایک کتاب جسے بہت کم لوگ پڑھتے ہیں میں نے اسے کئی بار پڑھا ہے وہ

ہے امام ابن تیمیہؒ کی کتاب درء تعارض العقل والنقل ہے، اسکا ابتدائی حصہ کچھ دشوار ہے مگر باقی کی کتاب نسبتاً آسان ہے۔ اسی طرح منہاج السنہ ہے, مگر میں نے ابن تیمیہؒ کی فقہی کتب کا بہت کم مطالعہ کیا ہے۔

دیارِ مغرب میں

مجلۃ العصر :آپ نے ہمیں سوڈان ,سعودیہ کے ایام کے بارے میں تو بتلایا مگر مغرب کے بارے میں آپ نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا؟ کہ آپ نے یہاں قیام کے دوران کیا فائدہ اٹھایا؟

شیخ جعفر :میں مغرب 1962 میں گیا تھا,جب میں جامعہ خرطوم سے فارغ ہوا تو پی ایچ ڈی کے لیے یہاں آیا تھا۔ مگر ہمارا رابطہ مغرب کے ساتھ وہاں جانے سے شروع نہیں ہوتا بلکہ اس کی ابتدا میٹرک سے ہوگئی تھی جہاں پڑھائی مکمل طور پر انگریزی زبان میں تھی۔ جامعہ خرطوم میں تو پہلے سال سے ہی اسی زبان میں تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ ہمیں اسی وقت سے فکرِ مغرب سے واسطہ پڑا تھا اور ہم نے آخری دو سالوں میں معاشیات اور فلسفہ کے میدانوں میں اس فکر کا مطالعہ کیا تھا اس ساری مغربی فکر نے ہماری فکری اپروچ پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے اس کے اثرات ایجابی بھی ہیں اور سلبی بھی ہیں۔ میرے لیے ایک بات خاصی افسوسناک ہے کہ عالم عرب میں ان افکار اور مسائل پر جو کتابیں لکھی جارہی ہیں ان کے مقابلے میں مغرب کے اپنے مصنفین کی کتب زیادہ گہری, عمیق اور محکم ہیں۔ جیسے کارل مارکس پر لکھی جانے والی کتب کو اگر مارکس پڑھ لے تو اسے ہنسی آجائے۔ مارکسزم پر زیادہ تنقید مغرب سے ہی کی گئی ہے۔ یہ بات میں نے شیخ ابن تیمیہؒ سے سیکھی ہے,وہ فرماتے ہیں کہ اہل اہواء پر رد کرنے کے لیے انہیں کے کسی دوسرے فرقے سے استفادہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایک دوسرے کی غلطیاں خود ہی سامنے لے آتے ہیں۔ لیکن میں ایک بات عرض کردوں کہ یہ کتب,کاتب کے اپنے نقطہ نظر پر مبنی ہوتی ہیں,ہر وہ عیب جو کوئی سرمایہ دارانہ نظام کا حامی اشتراکیت سے بیان کرتا ہے لازمی نہیں وہ اسلامی نقطہ نظر سے بھی غلطی ہی ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مغربی مفکرین کہتے ہیں کہ ملکیت انسانی فطرت کا لازمی تقاضا ہے یعنی اگر آپ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں تو گویا آپ فطرت انسانی سے ہٹے ہوئے ہیں۔ یہ فکر اسلام سے کوئی نسبت نہیں رکھتی بلکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔ ویل لکل ھمزہ الذي جمع مالا وعددہ یحسب ان مالہ اخلدہ

البتہ بعض اشتراکیوں کی طرف سے سرمایہ داری پر سامنے آنے والے رد بہت حد تک درست ہوتے ہیں مثلاً انتخاب میں شامل ہونے کا مسئلہ ہی لیجیے۔ سرمایہ دارانہ نظام کہتا ہے کہ انتخابات میں حصہ لینا صرف دولت مندوں کا حق ہے یا وہ آدمی جس کی امیر طبقہ اعانت کرے کیونکہ غریب طبقے اس کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتے۔ یہ جمہوری نقطہ نظر سے بہت بڑی خامی ہے۔ اگر لوگ مغرب کے تجربے کو اختیار کرنے پر آجائیں تو اس سے عدل اور انصاف کا تقاضا کرنا ایک لازمی چیز ہے اسی طرح ہم نے ان کی پبلک سائنس کی کتب سے بھی بہت فائدہ اٹھایا ہے ان کتب کا زیادہ اہتمام سوویت یونین کی طرف سے کیا جاتا

تھا۔ سوویتی مصنفین بسا اوقات ان مباحث کو اپنے فلسفے کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں۔ مغرب کے مفکرین نے بھی اس میدان میں لکھا ہے مگر وہ اس کی ٹکر کا نہیں ہے۔

مجلۃ العصر:آپ نے اپنے قیام مغرب کے درمیان دعوتی اور خود شناسی کے اعتبار سے کیا سیکھا؟

شیخ جعفر: میں نے قیام مغرب کے دوران سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل کیا کہ مغرب کے بعض عیوب پر آگاہی صرف مشاہدے کے ساتھ ممکن ہے اور وہ مشاہدات مجھے مغرب جا کر ہوئے ہیں ان چیزوں کے متعلق آگہی کتب کے ذریعے سے ممکن نہیں ہے۔ جب آپ کتب میں خبریں اور تجزیے پڑھتے ہیں تو ایک اور نتیجے تک پہنچتے ہیں۔ اسی حوالے سے ایک چیز جس کو میں اہل سوڈان پر واضح کرنا چاہوں گا وہ ہے جمہوریت۔ جمہوریت کی متعلق لوگ بہت اعلی توقعات رکھتے ہیں گویا کہ جمہوریت اور انتخابات ان کی تمام مشکلات کو حل کر دیں گے۔ اس لیے میں یہ عرض کروں گا جمہوریت جن معاشروں میں رائج ہے وہ اس پر سب سے زیادہ تنقید کرتے ہیں اور وہ کتب جن میں جمہوریت پر تنقید کی گئی ہے ان میں سب سے گہری, عمدہ اور وسیع تنقیدیں خود اہل مغرب سے ملتی ہیں۔ مغرب کے ایک صحافی غالباً لیبمان ہیں جن کا مشہور جملہ ہے کہ جمہوریت انسان کے حکومت تک پہنچنے کے ضوابط تو رکھتی ہے مگر حکمرانی کے اصول نہیں رکھتی۔ یہ کسی بھی نظام کے لیے بہت بڑا عیب ہے۔ میں نے اپنے بعض دوستوں سے کہا ہے کہ ہم اہل السنۃ اس کے برعکس ہیں جمہوریت میں حکومت تک پہنچنے کے اصولوں کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور بعد کے معاملات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی جبکہ اہل السنۃ کے ہاں حکومت تک پہنچنے کے قواعد تو اتنے زیادہ محکم نہیں ہیں (ان میں وسعت کا پہلو زیادہ ہے) البتہ حکمرانی کے اصول انتہائی باریک بینی سے متعین اور مقرر ہیں, ان کے نزدیک غالب قوت کا حامل طبقہ یا فرد حکومت کا حق رکھتا ہے البتہ اسے کتاب وسنت کا نفاذ کرنا ہو گا۔ سور جنسٹین ایک روسی مصنف ہیں یہ یورپ اور امریکا میں آیا اور اس نے سرمایہ دارانہ نظام پر تنقید لکھی ہے اسی ضمن میں یہ کہتا ہے کہ جمہوریت اس وقت ایک مفید نظام ہو سکتا ہے جب یہ دین کے ساتھ شامل ہو کر لاگو کیا جائے, جمہوریت آپ کو آزادی اظہار اور آزادی دین تو دے دیتی ہے اور دونوں کو ملا کر ایک درست منہج تشکیل دیتی ہے مگر جب دین کو چھوڑ دیا گیا تو یہ صرف آزادی شر ٹھہری۔ اسی طرح واشنگٹن پوسٹ نے ایک کتاب کے بارے میں لکھا ہے جس کے مصنف نے اشتراکیوں کے قدیم اصولوں کی روشنی میں کچھ نئے دلائل پر اس اسلوب کے ساتھ بحث کی ہے کہ جمہوریت میں سرمایہ چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتا ہے اس کی مثال بل گیٹس ہیں وہ امریکہ کی کل عوام کے چالیس فیصد جتنا سرمائے کے مالک ہیں۔ جدید معاشروں میں اس طرح کے سیاسی اور اقتصادی نقائص کے پائے جانے پر ہم نے ان میں رہ کر ہی مشاہدات کیے ہیں۔ اس کے ساتھ میں یہاں کی اخلاقی اعتبار سے پائی جانے والی پیچیدگی کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کا یہ معاشرے سامنا

کر رہے ہیں جو کہ ایک خوفناک صورتحال ہے۔منشیات کا اسکولز اور یونیورسٹیز میں کثرت سے استعمال ہونا اور جنسی اباحیت اس معاشرے کی بڑی اخلاقی کمزوریاں ہیں۔لگتا یہی ہے کہ سوائے چند سنجیدہ دانشوروں کے ان معاشروں کے اکثر افراد کو ان معاملات کا کوئی شعور نہیں ہے۔

اس قیام کے دوران میں نے جو ایک اور اہم فائدہ اٹھایا وہ ہے جدید مباحث کا مطالعہ کیا ہے جو کہ محققانہ اور موضوعاتی اسلوب میں حقائق پر مبنی ہیں۔ان مقالات میں یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ ان نتائج سے بالکل اتفاق نہ کریں جو محقق نے خود اخذ کیے ہوں,خود میرے ساتھ کئی مرتبہ ایسے ہوتا ہے کہ میں مصنف کی بنسبت بالکل الگ نتائج اخذ کرتا ہوں کیونکہ میں ان تجربات اور مشاہدات کو ان اصولوں پر پرکھتا ہوں جو میری فکر کا لازمہ ہیں۔ برسبیل مثال میں ان دنوں مغرب میں عورتوں کے حقوق کی علمبردار عورت کی ایک کتاب پڑھ رہا ہوں,وہ اپنی اس کتاب کے ایک باب میں لکھتی ہے کہ ہماری عورت کی مرد سے برابری کا یہ مقصد نہیں کہ عورت مرد بن جائے بلکہ ہم یہ مشن رکھتے ہیں کہ عورت اپنی انوثت ہی کی بنیاد پر محترم اور معزز ہو جائے۔کیونکہ اس وقت معاشروں میں عورتوں کا بنیادی کام یہ آن ٹھہرا ہے کہ عورت یا تو مرد جیسی ہو جائے یا پھر مرد کے لیے سامان راحت بن کر رہ جائے۔پھر اس نے یہ تفصیلات ذکر کی ہیں کہ عورت اپنے ظاہری جسم کے نظارے کو پر لطف بنانے پر کس قدر مال خرچ کر دیتی ہے۔ یہاں میں یہ عرض کروں گا کہ اگر پردے میں ہو تو اس پہ بناؤ سنگھار پر اس قدر مال خرچ نہ کرنا پڑے۔ یہاں آن کر معلوم ہوتا ہے کہ حجاب میں کس قدر حکمتیں ہیں۔ایک امریکی لڑکی نے اپنے استاد سے کہا جو کہ مسلم تھے,میں فیشن ڈیزائننگ میں کام کرتی ہوں یہاں پر صرف وہ چیز میک اپ کرائی جاتی ہے جسے مرد پسند کرتے ہیں,میں یہ سمجھتی ہوں کہ عورت کی سب سے بڑی آزادی حجاب میں مضمر ہے۔ایک باحجاب عورت مردوں کی پراپرٹی بننے سے محفوظ رہتی ہے۔اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم مغرب کو ایک تجربے کے طور پر لیں اور اللہ نے ہمیں اس کا موقع فراہم کر دیا ہے,کہ ہم اس بات کا مشاہدہ کر لیں کہ جب معاشرے اللہ کے احکامات سے منہ موڑ لیتے ہیں تو ان پر کیا بیتتی ہے۔اس لیے جب آپ تحقیقات اور اعداد و شمار کو دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے اور ممکن ہے کہ مغربی معاشرے کے اندر رہتے ہوئے آپ ان چیزوں کو ٹھیک طرح سے محسوس نہ کر پائے ہوں۔اس کی مثال کتاب انتہائے تاریخ ہے جس میں مصنف نے مغربی معاشرے میں اخلاق اور اقدار میں پائے جانے والے فساد کے وہ اعداد و شمار ذکر کیے ہیں کہ کہ جنہیں پڑھتے ہی انسان پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے۔

سوڈان کے احوال :

مجلۃ العصر :اب ہم آپ کی سوڈان واپسی سے متعلق بات چیت کریں گے۔ اب آپ واپسی کے بعد سوڈان میں کیا کرنا چاہتے ہیں؟

شیخ جعفر :جی بالکل !اب میں یہیں رہائش پذیر ہوں اور جامعہ کے احوال پر نظر رکھے ہوئے ہوں اور کانفرنسز میں شریک رہتا ہوں۔ مجھے اللہ تعالی نے اپنے فضل سے جو حکمت اور تجربہ دیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے منتقل کر دوں,اب تو میں حکومت سے بھی باقاعدہ رابطے میں ہوں, مگر میں عہدے قبول نہیں کرتا صرف نصیحت کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے چلا جاتا ہوں۔ اسی طرح میں مختلف جرائد میں بھی لکھنا چاہتا ہوں اور کسی ایک رسالے کو خصوصی طور پر منتخب کرنا بھی میرے خیال سے ضروری ہو گا۔ اسی طرح میری خواہش ہے کہ مساجد میں دروس دوں اور اسلامی تنظیموں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کروں۔ اس وقت بھی میرے ان سے بہت اچھے تعلقات ہیں اور میں انہیں جاری رکھنے کا شدید خواہش مند ہوں۔ اللہ تعالی نے ہمیں تجربات کو دوسروں تک منتقل کرنے کا ذریعہ بنادیا ہے تا کہ وہ ان سے استفادہ کر سکیں۔

مجلۃ العصر :آپ اس نظام حکومت کو کس نظر سے دیکھتے ہیں جبکہ اسے قائم ہوئے 11سال ہوچکے ہیں؟

شیخ جعفر :نظام حکومت پر سب سے پہلے تو خود حکمران ہی تنقید کر رہے ہیں۔ خود عمر البشیر نے کہا ہے کہ ہم لوگوں کے مسائل حل نہیں کر سکے اور اپنی حکومتی مشکلات کا شکار رہے ہیں۔ اگر چہ مجھے ان کی اس بات پر تعجب ہوتا ہے کیونکہ اختلافات کی ابتدا ۱۹۹۲ میں ہو گئی تھی جب حسن ترابی پس منظر میں چلے گئے اور اب مقصد یہی ہے کہ حالات کو بہتری کی طرف لے جایا جائے۔

مجلۃ العصر :آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ان اختلافات کو مٹادینا چاہیے یا پھر اصلاح کا اندرونی عمل ممکن ہے اگر یہ سوڈان کے اہم مسئلوں میں شمار ہوسکتا ہو؟

شیخ جعفر : نہیں !ایسی بات بالکل نہیں۔ یہاں ایک دوست ہیں جو اختلافی امور نمٹانے والی کسی کمیٹی کی سربراہ ہیں, میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کیوں ہر اختلاف کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہر اختلاف کو مٹایا نہیں جاتا بلکہ بعض اختلافات مفید بھی ہوتے ہیں۔ اخبارات نے میرا یہ جملہ چھاپ بھی ڈالا تھا۔ اس لیے میں یہ عرض کروں گا کہ میری تو یہ پوزیشن نہیں کہ میں ان کے مابین اصلاح کروا سکوں کیوں کہ میرے تو اپنے ترابی سے اختلافات ہیں۔ میرا تو ذہن یہ کہتا ہے کہ ترابی کا قصہ ختم ہو چکا ہے,اب تو جو لوگ اس سے وابستہ ہیں وہ صرف اس سے شخصی طور پر منسلک ہیں,اور یہ بات زیادہ عرصے تک جاری نہیں رہ سکتی۔ ان میں زیادہ اکثریت جامعات کے طلبہ کی ہے۔ میرا گمان بھی نہیں تھا کہ اس کی پاس اتنی بڑی تعداد جمع ہو جائیگی میرے لیے یہ بات خاصی عجیب ہے۔ اس کے مخالفین بتلاتے ہیں کہ وہ خود اسے لوگوں میں کام کرنے کے لیے لاکھوں لوگ فراہم کرتے رہے ہیں,چونکہ طلباء میں اور کوئی کام کرنے والا نہ تھا تو وہ اس کے متعصب حامی بن گئے۔ یہ سب کچھ آخری دس سالوں میں ہوا ہے۔ ایک بھائی نے مجھ سے کہا کہ اب یونیورسٹیوں میں لوگ یہ باتیں کرنے لگے ہیں کہ الحرکۃ الاسلامیہ کے نوجوان دین کے بارے میں تو کچھ جانتے نہیں البتہ صرف اپنی قیادتوں کے حق میں بہت متعصب ہوتے ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ ترابی بھی یہی

چاہتا ہے۔ اس کے الفاظ میں ترابی جہالت میں مجتہد ہے۔ اس جہالت کی علامت یہ ہے کہ اس کے کارکن اس کی اندھی اطاعت کے قائل ہیں۔

مجلۃ العصر:کیاآپ نے مشاہدہ نہیں فرمایا کہ اسلامی تحریکیں خواہ وہ سوڈان کی ہوں یا کسی اور اسلامی خطے کی انہیں یہ چیلنج درپیش ہے کہ ان کے پاس اسلامی نظام حکومت کے قیام کا کوئی واضح لائحہ عمل نہیں ہے۔ یہ اعتراض تمام اسلامی تحریکوں کے سامنے رکھا جارہا ہے۔

شیخ جعفر: یہ بات درست ہے اور میں نے سوڈان میں اپنے دوستوں سے کئی بار کہا ہے۔ یعنی اس وقت نظام حکومت کیا ہوگا جب ایک فوجی حاکم ہو,لازمی بات ہے کہ یہ فوج پر ہی منحصر ہے کہ وہ خود کیسی ہے۔ اس وقت سوڈان کا حاکم ایک دیندار آدمی ہے مگر کیا صرف اتنا ہی کافی ہے؟میں عمومی اعتبار سے حاکم میں عیوب کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا کیونکہ ادوار خلافت راشدہ کے علاوہ کوئی حاکم بھی مفکر نہیں تھا اس کا مطلب ہے کہ اس وقت جو کمی پائی جارہی ہے وہ اسلامی تحریکوں کی ادبیات کے میدان سے متعلق ہے اوران میں اس قدر اہم موضوع پر کوئی اچھا مواد نہیں ملتا۔ یہ بات کتنی عجیب ہے کہ ہم حکومت کا مطالبہ تو کرتے ہیں مگر اس کے حوالے سے کسی بھی درست لائحہ عمل سے خالی ہیں۔

کسی بھی اسلامی تحریک نے اسلامی نظام حکومت کی تشکیل کے طریقہ کار کے حوالے سے کوئی بھی چیز تخلیق نہیں کی۔ اسی لیے سوڈان میں اسلامی عمل کے حوالے سے جو کچھ ہوا اس سے عام لوگوں کو بھی بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ پہلے کی نسبت بہتری آئیگی۔ مگر حکومت کے آخری ایام میں کچھ ناخوشگوار واقعات پیش آئے۔ میرا خیال ہے کہ ترابی نے خود ایسا نہیں کیا ہوگا کیونکہ ترابی میں اتنی ہمت اور جرأت نہ تھی۔ حالانکہ سمجھا یہ جارہا تھا کہ حکومت میں شامل تمام افراد کی نسبت ترابی کا قد کاٹھ سب سے بڑا ہے اور یہ کہ ترابی پورے عالم اسلامی میں سب سے بڑھ کر متعصب اور قدامت پرست انسان ہے, حقیقت یہ ہے کہ اس بندے میں ایک ذرے جتنی بھی یہ چیزیں نہیں ہیں۔ وہ تو یہ تک کہا کرتے تھے کہ ہم حدود پر ایمان نہیں رکھتے اور میں جانتا ہوں کہ اس نے اس بات کا اعتراف بھی کر لیا تھا آپ اگر ملاحظہ فرمائیں تو یہ باتیں سوڈان اوراس کے گردو نواح میں آپ کو واضح بیانات ,نغمات اوردوسرے ممکنہ ذرائع سے مل سکتی ہیں۔ اسی طرح اشتمالیوں کے ساتھ شدت سے نپٹنا بھی اچھی بات نہ تھی, ابتدائے انقلاب میں بہت بڑی تعداد کو سختی اور عذاب میں ڈالا گیا۔ میں ایک آدمی کو جانتا ہوں پہلے وہ کمیونسٹ تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا اس نے حج بھی کیا ہے ہمارے ایک دوست نے اس کی پیٹھ پر سے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو کوڑوں کے نشانات تھے حالانکہ اس کی عمر بھی بہت زیادہ ہے, بعض لوگوں کو قتل کیا گیا حالانکہ ان کا جرم اتنا بڑا نہ تھا, مثلاً ایک آدمی اس وجہ سے قتل ہوا کہ اس کے پاس ڈالر تھے۔ انقلاب کے بعد ایک عرصے تک یہی ظلم چلتا رہا۔ ایک دوست جو کہ حکومت چھوڑ کر ناقدین میں آن شامل ہوئے ہیں

وہ بتاتے ہیں کہ اگر کوئی اچھائی بعد میں ہوئی بھی ہے تو یہ ہماری محنتوں کا ثمر نہ تھی بلکہ مغربی دباؤ کا نتیجہ تھا۔ لگتا ہے کہ اب ایسا کرنا ممکن نہیں رہا، مجھے اس کی کئی ایک وجوہات نظر آتی ہیں۔ لگتا ہے کہ انقلابیوں کو خود اس بات کا ادراک ہو گیا ہے اور حکومت میں بھی اتنا دم خم نہیں رہا اسی طرح اندرونی تنقید بھی اس میں موثر ثابت ہوئی ہے یہ تنقید خود تنظیم کے ارکان کی طرف سے بھی سامنے آئی ہے۔

سوڈان میں دو اور پریشانیاں بھی ہیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ جنوبی سوڈان ایک اہم مسئلہ بنا ہوا ہے اور مغرب اس میں باغیوں کا ساتھ دے رہا ہے ان کا سب سے بڑا سپورٹر امریکا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ باغی مغربی ممالک کی امداد کے بغیر اتنے عرصے تک ٹھہر جائیں۔ یہ جنگ ایک انتہائی سنگین انسانی جرم ہے۔ خود مغربی ممالک کی رپورٹس کے مطابق اس جنگ میں لاکھوں لوگ مارے جا چکے ہیں۔ یہ جنگ سوڈانیوں کی ہے ہی نہیں۔ ایک سوڈانی یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ یہ جنگ کس کی ہے؟ اگر اس کے مقتولین امریکی ہوتے تو یہ کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔ چونکہ اس جنگ کے تمام مقتولین سوڈانی ہیں اسی لیے یہ تا حال جاری ہے۔

اسی طرح سوڈان کے بارے میں عجیب و غریب دعوے کیے جاتے ہیں مثلاً غلامی والے فسانے ہی کو لے لیجیے۔ میں نے اپنے ملک میں غلامی کے بارے میں آج تک کچھ نہیں سنا۔ یہ مغربی ذرائع ابلاغ کی پیش کردہ الف لیلوی داستان ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے جھوٹ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جنوبی سوڈان کی آدھی سے زیادہ اکثریت شمالی علاقوں میں آن رہائش پذیر ہوئی ہے ان لوگوں نے آخر یہ علاقے چھوڑ کر کسی اور طرف ہجرت کیوں نہیں کی بلکہ اپنے شمالی علاقہ جات کے بھائیوں کے ساتھ رہنے کو ہی ترجیح دی ہے۔ میرا خیال ہے یہ ہجرت مغرب کے کئی لوگوں کو اچھی طرح پریشان کر رہی ہے کیونکہ انھیں پتہ ہے کہ شمالی علاقوں میں جا کر یہ لوگ عربی سیکھ جائیں گے اور اس کے بعد مسلمان ہو جانا لازمی نظر آتا ہے۔ اسی طرح کا ایک جھوٹ دہشت گردی اور حقوق کی پامالی کا بھی لگایا جاتا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس وقت سوڈان میں ایک فوجی حکومت کے ہوتے ہوئے جس قدر آزادی ہے اس کا عالم عرب میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ رسائل اور جرائد میں صدر مملکت پر کھلے عام تنقید کی جاتی ہے۔ البتہ یہ بات واضح ہونی ضروری ہے کہ مغرب کے نزدیک انسانی حقوق کا تصور مختلف ہے۔ پوری دنیا میں ہنگامہ سا برپا ہو گیا تھا جب والیء خرطوم نے حکمنامہ جاری کیا کہ عورت فلنگ سٹیشن اور ہوٹل میں کام نہیں کر سکتی، ہمارے دین کے لحاظ سے یہ ایک انقلابی قدم تھا مگر مغرب کے نزدیک یہ ایک انسانی جرم ٹھہرا۔

سوڈان کا دوسرا مسئلہ حکومت مخالفین ہیں۔ اس میں پریشانی کا پہلو یہ ہے کہ مخالفین اسلام نہیں چاہتے ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ عمر بشیر صدر رہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک مقرر عرصے کے بعد انتخابات ہونے چاہییں لیکن اس کا امکان ہے کہ ان انتخابات میں اسلام پسند

کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔ یوں جب کوئی پارلیمنٹ فیصلہ کرنے بیٹھے گا تو اس کے ممبران اسلام کے حق میں فیصلہ نہیں دیں گے۔ ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ رسائل اور جرائد پر بھی جمہوریت پسند غالب ہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ پریشانی تمام غریب ممالک میں مشترک ہے۔ اگر انتخابات ہوتے ہیں تو ان میں کئی اور جہات سے پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی اور ذرائع ابلاغ بھی شامل ہو جائیں گے اور لبنان والا قصہ دہرا دیا جائے گا۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی لوگوں کو شریعت کے نفاذ پر کسی ادنی جہت سے متفق کر دے۔ عمر البشیر نے کئی بار صراحت کی ہے کہ وہ شریعت نافذ کرنا چاہتا ہے یہ ایک خوش آئند بات ہے۔ بہر حال سوڈانی مسلمانوں کے عبور کرنے کے لیے یہ دو بڑی گھاٹیاں ہیں۔

اقتصادی پریشانی کا تعلق ایک تو جنوب سوڈان سے ہے اور دوسرے نمبر پر سوڈان میں صنعتی ترقی کو بڑھانے سے ہے۔ اس حکومت کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے معاشی میدان میں بہت ترقی کر لی ہے۔ لیکن لگتا ہے کہ جنوبی سوڈان کے ساتھ ہونے والی اس جنگ میں اربوں ڈالر کا نقصان ہو جائیگا گو کہ پٹرول نے اس نقصان کو کچھ کم کر دیا ہے۔ جنوب کا مسئلہ حل ہوتے ہی اور صنعتی ترقی میں اضافے کے ساتھ ہی اقتصادی پریشانی حل ہو جائے گی۔ لیکن اقتصادی مسئلے کے حل ہوتے ہی اس کے لیے ایک اور مسئلہ کھڑا ہو جائیگا,وہ یہ کہ سوڈان باوجود اس حالت فقیری کے قرب وجوار کے ممالک کی نسبت بہتر ہے ,اس وقت بھی سوڈان کے آس پاس کے لوگ سوڈان منتقل ہو رہے ہیں اور اگر اس کی حالت سدھر جاتی ہے تو ان ممالک کے رہنے والے بہت بڑی تعداد میں یہاں ہجرت کر کے آئیں گے۔ جس سے اس کی حالت تبدیل ہو جائیگی,اس میں عربیت کی بو باس کم ہو جائیگی اور دینداری کمزور ہو جائیگی۔ میرے نزدیک اس کا حل یہ ہے کہ مصر سے سوڈان آنے جانے والوں کا راستہ کھول دیا جائے جس سے اعتدال پیدا ہو جائیگا۔

مجلۃ العصر : بات سے بات نکلتی ہے ,ایک آدمی جس کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں ,اس کے عیوب کو سب سے پہلے آپ نےآشکارا کیا اور اس پر کھل کر تنقید کی۔ میر ی مراد ڈاکٹر حسن الترابی ہیں۔ آپ ان کے بارے میں کیا کہیں گے؟

شیخ جعفر :میں اور ڈاکٹر ترابی ایک ہی اسکول میں پڑھتے رہے ہیں اور ایک ہی ہاسٹل میں رہے ہیں۔ یہ تعلیم میں مجھ سے دو سال آگے تھے یہ میرے ساتھ ایک ہی کلاس میں نہیں پڑھے جامعہ میں سال اول میں جب ہم نے سنا کہ وہ جماعت میں شامل ہو گئے ہیں ہم سب کو اس بات کی خوشی ہوئی۔ پھر جب ہم دوسری مرتبہ یونیورسٹی میں اکٹھے ہوئے اور مجھے اس کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو مجھے اس میں فکری اور عملی طور پر عیوب نظر آئے۔ بعض لوگ یہ سمجھے کہ میری اس پر تنقید حسد کی بنیاد پر ہے۔ میں نے اس کے اندر ان تمام باتوں کا مشاہدہ کر لیا تھا جبکہ میں اس وقت تنظیم کا ذمہ دار تھا اور جب یہ شخص تو کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا تب بھی میں نے اس پر تنقید کی تھی حالانکہ اس وقت کسی مقابلہ بازی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر

تنقید کے باوجود میں اس سے تعاون کرتا رہا حتی کہ یہ تنظیم میں ذمہ دار بن گیا۔ ابتدا میں مجھے جو چیزیں اس سے سننے کو ملیں وہ یہ کہ ترابی اہل السنہ کو ناپسند کرتا تھا، امام بخاریؒ اور ابن کثیرؒ کے ذکر سے اس کا دل تنگ ہو جاتا تھا اور یہ صحابہ کا احترام نہیں کرتا تھا میرے دوست جب بھی اس پر تنقید کرتے تھے اس کو معتزلی قرار دیتے تھے، میں انہیں کہتا تھا کہ معتزلہ پر ظلم نہ کرو وہ تو عبادت گزار اور صالح لوگ تھے وہ جس فکر کی دعوت دے رہے تھے اس کی طرف مائل ہونے کا سبب تو اچھا تھا، وہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالی سے عیوب کی نفی کرنا چاہتے تھے، ہمارے اِس دور میں جو لوگ معتزلہ بنے پھرتے ہیں اگر انہیں معتزلہ دیکھ لیں تو ان سے اظہار برات کر لیں۔ (شیخ محترم کی یہ بات پوری طرح سے ہمارے معاشرے کے معتزلہ پر بھی صادق آتی ہے)۔ بعض دوست اسے اشعری کہتے تھے حالانکہ اشاعرہ بھی اس طرح نہ تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی قریب ترین تعریف زنادقہ بنتی ہے یا پھر یہ فلاسفہ قرار پائیں گے جو اہل مذہب نہ تھے میں ان کو معقولین نہیں شمار کروں گا کیوں کہ آیات میں تعقل کا حکم دیا گیا ہے۔ **میں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالی نے عقل کی مذمت کی ہو۔ بلکہ اللہ تعالی نے عقل کا تعلق ایمان سے جوڑا ہے اور عدم عقل کی نسبت کفر کی طرف کی ہے۔** البتہ اہل اھوا کے مختلف طبقات ہیں بعض عقائد کے ابواب میں ہوائے نفس کے پیرو ہوتے ہیں اور کچھ سلوک و عمل میں جبکہ کچھ ان دونوں گمراہیوں کو جمع کر لیتے ہیں۔

مجلۃ العصر :کیا اس تنقید نے جماعت میں کوئی اثرات بھی پیدا کیے میری مراد ہے کہ آپ کی یہ تنقید بیداری اور ادراک کا سبب بنی ہو۔ یا پھر اس کی حیثیت ترابی کے ساتھ ایک اختلافی مباحثہ بن کر رہ گئی؟

شیخ جعفر: میرا خیال ہے کہ اس کی حیثیت ترابی کے ساتھ ایک مباحثے کی سی بنی رہی اور کوئی باقاعدہ وسیع رجحان نہ بن سکی البتہ ہم نے کچھ طلباء کو قائل کر لیا تھا۔ چونکہ یہ بات ہمارے معاشرے میں ایک مسلمے کی حیثیت رکھتی تھی کہ یہ مسائل ذاتی ہیں اور اس طرح کے مجادلے معاصرین کی باہمی چپقلش ہوتے ہیں۔ لوگ اسی طرح کی سادہ باتوں پر راضی ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے لیے اس بات کو قبول کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے جسے وہ آسانی سے سمجھ سکیں۔ مشکل یہ تھی کہ یہ شخص فوراً مکر جاتا تھا۔ اس لیے میں لوگوں کو قصوروار نہیں ٹھہراتا کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ جس آدمی پر بھی الزام لگے لوگ اسے قبول کر لیں اور خاص طور پر اگر وہ آدمی اس کا انکار بھی کر رہا ہوں۔ حسن ترابی ایک منافق آدمی تھا صرف خاص مجالس میں اس طرح کی باتیں کرتا تھا اور اعلانیہ مجالس میں مکر جاتا تھا، آج بھی وہ ایسے ہی کرتا ہے بلکہ جو باتیں وہ اس وقت کرتا تھا اب اس سے بڑھ کر کرتا ہے۔ ویسے وہ ایک مسکین آدمی ہے اس کی عقل ہر شبہ کو قبول کر لیتی ہے بقول ابن قیمؒ کے جس چیز سے بھی اسے واسطہ پڑتا ہے، وہ اس پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔

مجلۃ العصر:خاص طور پر اگر جماعت کے اندر کوئی رکاوٹ نہ ہوتو اس طرح کے لوگوں کو ترویج مل جاتی ہے؟

شیخ جعفر: جی بالکل! صرف یہی نہیں بلکہ وہ بعض کے ہاں محبوب اور مرغوب بھی ہو گیا تھا۔ اس لیے اس میں وہ رویے پیدا ہو گئے جو پہلے ہم نے نہ دیکھے تھے جبکہ ہم اس کے قریبی ساتھی رہ چکے تھے۔ وہ زبردستی اور جبر کو پسند کرتا تھا۔ اس لیے بہت سارے لوگ جن پر اس کا انحراف واضح ہو گیا تھا انھوں نے بھی کھل کر تنقید نہیں کی تھی کیونکہ ان کی اکثریت یہ چاہتی تھی کہ کلاس کا ماحول ٹھیک رہے اور اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔

مجلۃ العصر: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ بہتر یہ تھا کہ ان شبہات پر پہلے لکھ کر ان کا سدباب کر لیا جاتا۔ آپ کو افسوس نہیں ہوتا کہ آپ نے ابتدا میں اس موضوع پر کچھ نہیں لکھا؟

شیخ جعفر: مجھے اس بات پر افسوس ہوتا ہے اور میں اسے اپنی بہت بڑی غلطی سمجھتا ہوں۔ مجھے لوگوں پر اعتماد تھا اور تنظیم پر بھی بھروسا تھا، اور یہ کہ ہم نے تنقید کر دی ہے اور بیان بھی کر دیا ہے۔ اور فرد واحد ایک حد سے زیادہ اثر انداز نہیں ہو سکتا لیکن میرا گمان غلط نکلا۔ میری غلطی صرف یہ نہیں کہ میں نے اس پر خود کچھ نہیں لکھا بلکہ میں نے دوسروں کو بھی اس پر لکھنے سے منع کر دیا تھا۔ شیخ سفر الحوالی اس پر لکھنا چاہتے تھے اور اس کے لیے مواد بھی جمع کر لیا تھا۔ مگر اس وقت انتخابات ہو رہے تھے اور ڈاکٹر ترابی اس وقت اسلام پسندوں کے لیڈر کے طور پر سامنے آئے تھے اور اس کے مخالفین اسلام پسند نہ تھے مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اس کا انتخابات پر برا اثر پڑیگا۔ اس سوچ کا سبب میری تنظیمی فکر تھی کہ اس سے اختلاف کھڑا ہو جائے گا البتہ اب میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ بیان حق زیادہ ضروری تھا۔

تجربات کا نچوڑ:

مجلۃ العصر: اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت فرمائے۔ اس طویل دورانیے میں آپ کو جو تجربات ہوئے ان کی روشنی میں آپ نئی نسلوں کو کیا کہنا چاہیں گے؟

شیخ جعفر: سب سے پہلی بات جو میں عرض کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ ہمیں تنظیمی فکر کو درست راہ پر لانا چاہیے۔ دوسری بات جو میں آپ سے عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ میرے نزدیک اسلامی تحریکوں کی سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ قیادت پر علماء نہیں ہیں۔ میں ایک بات اکثر کہتا ہوں اور بعض لوگوں کو یہ بات عجیب لگتی ہے مگر میں یہ بتلا دوں کہ یہ چیز میں نے شیخ ابن بازؒ سے سیکھی ہے اور یہ اسلامی تحریکی مواد میں شاید بالکل ہی نہ ملے۔ میں نے شیخ ابن باز سے حکومتوں اور سیاسی جماعتوں سے تعلقات کے حوالے بہت ہی مفید طریقہ کار سیکھا ہے۔ یہ بات انہوں نے ایک حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے کہی تھی۔ حدیث تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے موضوع پر تھی شیخ فرمانے لگے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اہم ترین وسائل میں سے ہے کہ ہم حکومتوں سے رابطہ رکھیں اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔

لوگوں کو تعجب ہوا تو شیخؒ نے انہیں مثال دے کر سمجھایا کہ جب میں یہ چاہوں گا کہ اسلامی تعلیمی مواد برطانیہ کے اسکولوں میں شامل کرواؤں تو یہ کیسے ممکن ہو گا؟ ظاہر ہے وہاں کی حکومت سے رابطے کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ میں نے انہیں سے استفادہ کیا کہ انسان ہر وقت مخالف نہیں رہتا بلکہ جو چیز اچھی ہو اسے اختیار کر لیتا ہے اس لیے گو کہ حکومت بری بھی ہو مگر رابطہ حکام کے دلوں کو نرم کر دیتا اور انسان ان کو باور کروالیتا ہے کہ ہمیشہ مخالفت ہی کرتے چلے جانا یہ ٹھیک نہیں ہو گا۔

تیسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں یہ دل اور نفس کو حزن والم میں مبتلا کر دیتی ہے۔ میں نے اس دور کی تمام اسلامی جماعتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اخلاقی زوال کا شکار ہیں۔ حسن اخلاق تو ایسی چیز ہے جو ایک عامی مسلمان کا خاصہ ہونا چاہیے چہ جائے کہ ایسا شخص جو اسلام کی ترجمانی کا مدعی ہو اور حسن اخلاق سے خالی ہو۔ سوء اخلاق ایک مرض ہے جو بد قسمتی سے عام ہو چکی ہے۔ اسلامی جماعتوں کے کارکنوں کی حالت یہ ہے کہ وہ بہت ہی آسانی سے جھوٹ بول لیتے ہیں دھوکا دے لیتے ہیں۔ اکثر کے اندر تو انصاف کا مادہ ختم ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسلامی تحریکوں کو ان چیزوں پر خصوصی توجہ دینی ہو گی۔ اور اس سبق کو تازہ کیا جائے کہ اسلامی انقلاب کی اساس حسن اخلاق ہے, جس کا مقصد نفس اور معاشرے کو بچانا ہوتا ہے, نا کہ صرف معاشرے کو بدلنے پر اصرار کرتے چلے جانا۔ اشتراکیت کا محور اس بات پر ہوتا ہے کہ گروہ اشتراکیت کو آگے لانا ہی اصل مقصود ہوتا ہے اس میں اس بات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی کہ یہ طریقہ بذات خود برا ہے اور اسلام اس کو رد کرتا ہے۔

چوتھی شے جو آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ اطاعت اور تنقید دونوں ضروری ہیں جماعتوں کے افراد اطاعت تو بہت کرتے ہیں مگر تنقید کا پہلو اختیار ہی کوئی نہیں کرتا اطاعت کرنا امور شریعت کے مطابق ایک ضروری شے ہے مگر یہ بات پس منظر میں چلی جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جب آپ کی اطاعت کی بیعت کی تو اس میں قول حق کی شرط لگائی تھی اور اس کو وہ بالکل قابل ملامت نہیں سمجھتے تھے۔

جب تنقید غائب ہو جائے تو ڈکٹیٹر شپ اور جبر و تسلط جنم لے لیتا ہے۔ اسلامی تحریکوں کو نرمی کا منہج اختیار کرنا چاہیے ورنہ ان میں اور اشتمالیوں میں کیا فرق رہ جائے گا۔ اشتراکیت مفکرین کے لیے تنگی پیدا کر دیتی ہے کسی مغربی مفکر نے اشتراکیت اور کیتھولک فرقے کے درمیان تقابل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اشتراکیت سے بھی مفکرین کی ایک بہت بڑی تعداد اس میں تنگ روی کی وجہ سے نکلی ہے۔ بعض اسلامی تحریکیں بھی اس حادثے کا شکار ہیں جس طرح سوڈان میں ترابی کے دور میں ہوا کہ بہت سارے لوگ اس کی وجہ سے تنظیم کو خاموشی سے چھوڑ گئے, البتہ میں نے اس مسئلے پر کھل کر اظہار کیا۔ میری خواہش یہ ہے کہ ہمیں مغربی تہذیب کا شعور بہت زیادہ ہونا چاہیے کیونکہ عالمی سیاست کا سب سے موثر کردار اس وقت کا

مغرب ہے جبکہ مغرب کے سامنے ہماری تصویر بہت زیادہ بھیانک ہے۔ اس وقت دنیا ایک گاؤں بن گئی ہے اس لیے ہمیں مغرب کا شعور زیادہ سے زیادہ ہونا چاہیے اور عالمی مسائل میں ایک موثر کردار ادا کرنا چاہیے یہاں تک کہ مسلمانوں کی شراکت باقاعدہ ایک واقعہ ہو۔ اس معاملے کا ایک حصہ مغرب کے مسلمان سنبھال سکتے ہیں۔ مغرب کی مختلف زبانوں میں لکھی جانے والی اسلامی کتب عموما مبتدیانہ قسم کی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی اسلامی مفکر کی سب سے اہم کتاب جو کہ ایک علمی معیار کی حامل ہے وہ زرابوزو کی اربعین نووی کی شرح ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ امریکی عوام جن مسائل کا سامنا کر رہی ہے ہمیں ان میں شرکت کرنی چاہیے یہ بھی اسلامی دعوت کی ایک صورت ہے۔ منشیات ,اسقاط حمل ,گلوبلائزیشن اور اقتصادی مشکلات وغیرہ جیسے مسائل پر سامنے آنا چاہیے تاکہ ہمارے اندر مغرب کے معاشرے کے مشہور مفکرین جنم لیں۔

مجلۃ العصر :اس میں کوئی شک نہیں کہ امت اس وقت تنظیموں اور جماعتوں کی بہ نسبت بڑے چیلنجز کا سامنا کر رہی ہے مگر امت کا ایک بہت بڑا طبقہ ان تنظیمات سے علیحدہ رہ رہا ہے۔ یہ کس طرح سے ممکن ہے کہ ہم منشور امت کو ان جماعتوں کی سطح سے بلند کرکے تمام طبقات کی سطح تک لے آئیں؟

شیخ جعفر :اس کا جزوی علاج تو یہی ہے جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے اور اس علاج کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ داعیوں کی ایک تعداد ایسی ہو جو ان تنظیموں میں سے کسی کی طرف منسوب نہ ہوں اور وہ معاشرے پر اثر انداز ہو رہے ہوں میں نے ایک طالب علم عبدالحئی یوسف کو یہی نصیحت کی ہے۔ مثال کے طور پر ابن بازؒ اور شیخ البانیؒ کو لے لیجیے ان کے اثرات ان تنظیموں سے بھی زیادہ ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ داعی کو حکومت کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی کی طرح نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اس طرح کا حریف ہونا چاہیے جو مغرب میں اپنا ایک خاص سیاق رکھتا ہے داعی وہ ہونا چاہیے جو ہر وقت حق کو نشر کرنے کے لیے کوشاں رہتا ہو اس پر عمل اور اقامت کی صدا بلند کرتا رہے۔ یہ بات انفرادی دعوت کا کام کرنے والوں کے حوالے سے ہونی چاہیے ,اور تنظیموں کو بھی آپس میں مضبوط رابطہ رکھنا چاہیے ,سوڈان میں تو ایسا ہونا شروع ہو چکا ہے ,ہمارے ملک میں تنظیمیں ایک دوسرے کے وجود کی تکمیل کے منہج پر گامزن ہیں اور اپنے اپنے مخصوص دائروں میں محدود رہنے کی روش ترک کر چکی ہیں۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے باقاعدہ ادارے تشکیل دیے جا رہے ہیں اور یہ ایک خوش آئند بات ہے ان میں مختلف مجلات کی قائم کردہ کمیٹیاں اہم ہیں ,ہو سکتا ہے اللہ تعالی کسی تجربہ کار اور دیندار آدمی کو ایک ایسا ادارہ تشکیل دینے کی توفیق دے جو اسلامی شعور کو بلند کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ اسی طرح جامعات بھی خاصی موثر ہوتی ہیں۔ میرے خیال سے یہ ساری چیزیں مل کر اس پورے قضیے کا حل ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ معاشرے کے حقیقی مسائل کو اسلامی دعوت کے موضوعات بنائیں۔ یہ بات تمام کارکنان

دعوت پر آشکار ہونی چاہیے کہ یہ سارا دینی عمل سب سے پہلے درجے پر اپنے آپ کو بچانے کے لیے کر رہے ہیں, اس ادائے واجب سے ان کو ذاتی فائدہ پہنچے گا۔ اگر ہم یہ باور کروالیں تو آگے بڑھنے کے لیے واجبات کی ذمہ داری لینے کا پہلا مرحلہ طے ہو جائیگا۔

مجلۃ العصر :آپ نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ انقلاب ایران کے بعد سے اسلام پسندوں کی صفوں میں حکومت ایران سے تعلقات بہتر بنانے کے لیے ایک بھگدڑ سی مچی ہوئی ہے۔ آپ اس رجحان کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟

شیخ جعفر: سب سے پہلے تو میں یہ واضح کر دوں کہ ایران میں قدیم نظام کی شکست اور انقلاب کی کامیابی اصل میں مغربی فکر کی جیت ہے, ہاں اس سب کچھ کے باوجود بھی اس کامیابی میں جزوی خوبیاں موجود ہیں۔ اس انقلاب کے لیے جتنے دلائل فراہم کیے گئے وہ سارے جواز مغربی فکر سے لیے گئے اس لیے مغرب کے حلقوں میں اس تحریک کی کامیابی پر خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مجھے تو یہ خوف ہونے لگا ہے کہ یہ اسلامی نظام کو چھوڑنے کے سلسلے میں اٹھایا جانے والا پہلا اہم ترین قدم نہ بن جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایران کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی صورتیں مختلف ہیں یعنی ایک ہے بطور حکومت تعلقات استوار کرنا اور ایک ہے بطور مذہب تعامل کرنا۔ ایران کے ساتھ تعلقات ملکی بنیادوں پر قائم کرنا غلط نہیں ہے آخر ہم کافر مملکتوں کے ساتھ بھی تو تعلقات استوار کرتے ہیں۔ البتہ بعض اسلام پسندوں کے ایران کے حوالے سے موقف کی بات رہی تو میں سمجھتا ہوں کہ ایسا علماء کی کمی کی وجہ سے ہو سکتا ہے یا پھر ان کے ہاں ابھی عقیدے کے مسائل زیادہ معروف نہ ہو سکے ہوں گے حتی کہ بعض قائدین کی طرف سے ایسے بیانات بھی سامنے آرہے ہیں کہ جو کسی عامی سے بھی مشکل سے صادر ہوتے ہیں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ ایران کے ساتھ بطور ایک حکومت کے تعلقات قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں, اس میں اپنے سنی ہونے کی کسی حیثیت کو نظر انداز نہ ہونے دیا جائے اور عقیدے کو بھی واضح طور پر سامنے رکھا جائے, اس میں عقیدے کے اصولوں پر کسی قسم کا لین دین قبول نہ کیا جائے۔ میری معلومات کے مطابق جو کہ میں نے ایران کے احوال جاننے والے احباب سے جمع کی ہیں, اگر ایران میں ایک باشعور اسلامی تحریک کھڑی ہو جائے تو وہ خود متاثر ہونے کی نسبت ایرانی معاشرے پر اثر انداز زیادہ ہو گی۔ ایران کے مہذب طبقے میں سنت کے حوالے سے ایک وسعت پائی جاتی ہے۔ ایران میں ایک کتاب میلے کا انعقاد کیا گیا تو سب سے پہلے اس میں کتب سنت لائی گئیں تھیں۔ یہ وسعت اور موجودہ حکومت کے خلاف پائے جانے والے نفرت انگیز جذبات ایران میں اثر انداز ہونے کے لیے مثبت پوئنٹ ہیں۔

البتہ تقارب ادیان کا فسانہ اپنی عمر پوری کر چکا ہے۔ اب تو اسکے حق میں تقریریں کرنے والے حضرات ایک دو مجلسیں لگاتے ہیں اور بس۔ کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان اختلافات کا سبب چند کھوکھلے قواعد نہیں ہیں بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے اور فکر کے تصورات اور اصول ہیں۔

مجلۃ العصر : شیخ محترم جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اثرانداز ہونے کے لیے کچھ شروط ہیں۔ اس وقت اکثر لوگ جو اس راستے پر چل نکلے ہیں وہ دین کے بنیادی اصولوں کا مضبوط فہم نہیں رکھتے اورعلم شریعت کے اعتبار سے زاد قلیل رکھتے ہیں۔اب وہ اثر انداز ہونے کی بجائے خودکھلواڑ بن کر رہ گئے ہیں۔

شیخ جعفر:ہاں یہ بات صحیح ہے۔

مجلۃ العصر : شیخ محترم منہج کی دو اہم سطحیں ہوتی ہیں ایک تو پختہ اورقائم اصول اوردوسری سطح حرکی نوعیت رکھتی ہے۔ اکثر داعیوں کے نزدیک ثانی الذکر ہی اصل اوربنیادی اصول بن کر رہ گئی ہے۔ جس کی وجہ سےوہ داعی اسلامی عمل میں بہت سارے انحرافات کا سبب بنے جارہے ہیں۔ منہج کی ان دونوں میں کیا فرق ہے اور اس مسئلے کا کیا حل ہے؟

شیخ جعفر:اس کا حل یہ ہے درست شرعی منہج کے حاملین کو میدان میں اترنے کے لیے تحریک دلوائی جائے,بہت سارے احباب تنہائی اور عزلتِ عملی کا شکار ہیں اور کوئی گہری اور موثر پوزیشن نہیں سنبھال رہے۔بھائی عبداللہ ادریس کے بارے میں دوست بتلاتے ہیں کہ وہ سلفی بھائیوں کے پاس چلے جاتے تھے اور انھوں نے بہت ساروں کو میدان میں لاکھڑا کیا۔ اس لیے ضروری یہ ہے کہ لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے خود نکلا جائے اگر ہم لوگوں کے آنے کے انتظار میں رہے تو ہمارے موثر ہونے کا کیا معنی؟ لوگ مسلمان ہیں اس لیے ضروری ہے کہ انہیں حق بات سناتے وقت محبتیں بھی استوار کی جائیں۔ ہمارے اسلاف اہل السنۃ اس طرح نہیں تھے ابن تیمیہؒ نے اپنے دور کے کسی آدمی کو چھوڑ نہیں دیا بلکہ سب کے ساتھ مباحثے اور محنتیں کیں۔ ہمارے بہت سارے سلفی علماء جذبات اور علم کے حامل ہیں مگر وہ جدید امور سے واقف نہیں ہیں گویا وہ زمانہ ماضی کی باقیات ہیں۔ہاں البتہ اگر ان کے ساتھ اس دور حاضر کے ماہرین کو استفادہ کرواکر میدان میں لایا جائے تو ایک موثر قوت پیدا کی جاسکتی ہے۔

مجلۃ العصر: اسلامی صفوں میں کشادگی اور تعامل کے آداب کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے؟

شیخ جعفر:اس کے بارے میں پہلے بھی عرض کرچکاہوں۔ پھر ایک اضافہ کیے دیتاہوں کہ ہمارے ہاں کشادگی سے ایک خوف سا پایا جاتاہے۔ اور عموما اس طرح کا خوف زیادہ تر جماعت کی طرف سے ہوتا ہے حتی کہ بسااوقات تو کسی شخص کے, کسی کانفرنس میں جانے یا مخصوص افراد کے ساتھ اختلاط سے بھی خطرہ محسوس کیا جارہا ہوتا ہے۔ یہ خوف جس کا منبع عموما جماعتیں ہوتی ہیں, یہ وسعت فکر کے سامنے ایک بہت ہی بڑی رکاوٹ ہے۔ اس کے لیے بعض افراد کو جراءت کا مظاہرہ کرنا ہوگا اورایسا کرنا ضروری ہے۔ ہمارے بعض دوستوں کو اس تنگ روی سے بہت زیادہ تکلیف بھی ہوئی ہے اور یہ بہت اہم مسئلہ ہے۔ ہم

سب اس کے ذمہ دار ہیں, میں ذاتی طور پر باوجود اس کے کہ مجھے تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا, مگر میں نے دوسروں کے لیے کشادہ روی کو اختیار کر رکھا ہے۔

مجلۃ العصر : مسئلہ یہ ہے کہ آج کا شخص حق پر ہونے کے باوجود مصالحت کی راہ اختیار کرتے ہوئے دوسروں کے اصولوں کو ترجیح دیتا ہے اور اپنے ذاتی نظریات کو مدفون خاک کر دیتا ہے۔ اصل مشکل تو یہ ہے نا؟

شیخ جعفر: آپ کی بات درست ہے اگر اس کے اصولوں نے اسے روک رکھا ہوتا تو پھر اس کی شخصیت قوی شمار کی جاتی یا پھر اس چیز کا خلاف شریعت ہونا رکنے کا سبب ہو, مگر پیچیدگی یہ ہے کہ دوسروں کے خوف کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ شیخ ابن بازؒ بہت وسیع مزاج کے حامل انسان تھے, مجھ سے بی بی سی والوں نے انٹرویو کی بات کی, میں نے شیخؒ سے پوچھا, حالانکہ میں نے ٹیلی ویژن کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب بات عقیدے کے مسائل کی ہو تو ٹیلی ویژن اس کے مقابلے میں ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے۔ میرے خیال سے شیخ اس مسئلے میں متردد تھے, میں نے سوال پوچھا مگر درمیان میں اینکر بول پڑا, یہ بات تو مسلمانوں کی اکثریت نہیں مانے گی۔ شیخؒ فرمانے لگے آپ حق بیان کرتے رہیے بھلے وہ اکثریت کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے ان پر لازم ہے کہ وہ اسے بیان کریں اور ان دائروں سے نکل آئیں جس میں انہوں نے اپنے آپ کو محبوس کر رکھا ہے۔